۲۶

# خدا تعالیٰ نے اخلاق کی درستی اور مادّی ترقی کو مذہب کے تابع کر دیا ہے

(فرمودہ ۱۷؍ جولائی ۱۹۳۶ء بمقام دھرم سالہ)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے سب فطرتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے تجویز فرمایا ہے۔ دنیا میں مذہب اور اخلاق اور انسان کی وہ ضروریات جو اس کے جسم کے ساتھ وابستہ ہیں وہ ایسی مشترک ہیں کہ ان میں آپس میں فرق کرنا مشکل ہے۔ جب کبھی ہم نیچے سے اوپر کی طرف آتے ہیں یعنی جسم کی ضرورتوں کے تقاضوں پر غور کرتے ہوئے اخلاقیات اور پھر مذہب کی طرف آتے ہیں تو بظاہر ساری مادیات کا ہی جُز و معلوم ہوتی ہیں اور اگر ہم اوپر سے نیچے کی طرف آتے ہیں یعنی مذہب سے مادیات کی طرف آتے ہیں تو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری باتیں مذہب سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ جو مادیات پر غور کرنے کے عادی ہیں آہستہ آہستہ مذہب کی تمام ضرورتوں اور اس کے تمام احکام کو مادیات کا حصہ قرار دیتے ہیں اور جو مذہب پر غور کرنے کے عادی ہیں وہ ہر ایک شَے کو مذہب کا جُز و قرار دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کے نزدیک دنیا کی معمولی سے معمولی بات بھی مذہب کا حصہ ہے۔ ہندوستان اور یورپ میں یہ امتیازی نشان ہے کہ ہندوستانی لوگ ہر ایک بات کو خواہ اخلاق سے تعلق رکھتی ہو یا مادیات سے

اِن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسے مذہب کا جُزو بنادیں اور یورپین لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ روحانیات اوراخلاقیات کو مادی دنیا کا حصہ بنادیں۔ وہ لوگ اگرالہام پرغور کرنے لگتے ہیں تو یہی کہتے ہیں کہ یہ انسانی افعال کا جُزو ہے، وہ اخلاق پرغور کریں گے تو اِسی نقطہ نگاہ سے کہ اس سے انسان کو دُنیوی فائدہ ہوتا ہےاوراگر مذہب پرغور کریں گےتو یہی کہیں گے کہ ادنیٰ قِسم کےلوگ جو غیرتعلیم یافتہ ہیں مذہب کے نام سے جرائم اور فتنہ وفساد سے بچ جاتے ہیں۔ اس کے مقابل پر ہندوستان میں خصوصاً مسلمانوں کو دیکھا جائے تو وہ ہر چیز کو مذہب کا حصہ بنانے کی فکر میں ہیں گویا نماز روزہ سے اُتر کراخلاق اور دُنیوی تمام ضروریات خواہ کسی انجمن کا قیام ہو یا کسی جلسہ کا انعقاد ہو وہ کہتے ہیں کہ وہ ہمارے نزدیک اسلام کا حصہ ہیں اوران میں شامل نہ ہونے والا کافر ومرتد ہے۔اس معاملہ نے آہستہ آہستہ ایسا خطرناک غلوّ پیدا کیا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی جُزئیات بھی خواہ وہ مادی ہوں یا اخلاقی مذہب کا حصہ ٹھہرائی گئی ہیں اوراب تو مذہب آدمیوں کے نام پر ہوگیا ہے۔ فلاں مولانا صاحب کا یہ مذہب ہے اور فلاں عالم کا یہ، اوراس طرح اسلام میں اب کوئی حقیقت باقی نہیں رہی اور یہ لوگ اسلام سے دور جا پڑے ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ درحقیقت مادیات اخلاق اور مذہب اسی قدر قریب قریب ہیں کہ عام آدمی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے ایک کی حد شروع ہوتی ہے اور کہاں ختم ہوتی ہے۔ اگر مذہب اخلاقیات سے اتنا قریب نہ ہوتا کہ انسان کو پتہ نہ لگتا کہ مذہب اپنی حد سے نکل کر اخلاقیات کی حد میں داخل ہوتا ہے یا اخلاقیات، مادیات سے اتنا قریب نہ ہوتے کہ انسان کو معلوم نہ ہوتا کہ اخلاقیات اپنی حد سے نکل کر مادیات کی حد میں داخل ہوتے ہیں تو اتنا اختلاف جو آج پایا جاتا ہے نہ ہوتا۔ پس دونوں قوموں کے اختلاف سے معلوم ہوُا کہ دونوں ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں اورایک دوسرے سے وابستہ ہیں اوراتنی قریب ہیں کہ انسان نہیں سمجھ سکتا کہ دونوں کی حدود کیا ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ نیچے سے اوپر جانے کی وجہ سے یعنی مادیات سے مذہب کی طرف جانے کی وجہ سے چونکہ انسان مادیات سے اثر قبول کرچکا ہوتا ہے اس لئے وہ اوپر کی چیزوں کو مادیات کے تابع کرتا چلا جاتا ہےاور جو مذہب کا مطالعہ کرتے ہوئے مادیات کی طرف آتا ہے وہ اخلاقیات اور مادیات کو بھی مذہب کے تابع کردیتا ہے اسی لئے کہ وہ اوپر سے اثر قبول

کر چکا ہوتا ہے اور چونکہ ان میں آپس میں کامل مشابہت ہے اس لئے امتیاز مشکل ہے۔ اسی امتیاز کے نہ کرنے کی وجہ سے دو گروہ پیدا ہو گئے ہیں ایک ہر شَے کو مادیات کے تابع کرتا ہے اور دوسرا ہر شَے کو روحانیات کے۔ مگر باریک نظروں والا ان دونوں گروہوں کو غلطی پر قرار دے گا۔ اوپر سے نیچے آنے والے نے فرق کو دیکھا نہیں اس نے غلطی کی اور نیچے سے اوپر جانے والے نے تفاوت کی طرف نگاہ نہ اُٹھائی اُس نے بھی غلطی کی لیکن رسول کریم ﷺ کی زندگی میں دونوں پہلو نظر آتے ہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیا کے مادّی مصلح بھی ہیں، اخلاقی مصلح بھی ہیں اور روحانی مصلح بھی ہیں اور آپ کی حیاتِ طیبہ تمام کی جامع نظر آتی ہے۔ اگر ایک طرف آپ تعلیم دیتے ہیں کہ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ [۱] تو دوسری طرف روحانیت کی تکمیل کے متعلق زور دیتے ہیں۔ دعا کا تعلق اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایسا ہے جیسے بچے اور ماں کا تعلق۔ دعا کے معنے پکارنے کے ہیں۔ پکارنے والا تب پکارتا ہے جب اسے یقین ہو کہ کوئی میری مدد کرے گا کیونکہ کون اپنے دشمن کو مدد کیلئے پکارتا ہے؟ کہ مجھے آکر بچاؤ بلکہ انسان ایسے وقت میں خاموش رہتا ہے تا کہ کوئی اس پر ہنسے نہیں۔

دعا میں تین چیزیں پائی جاتی ہیں اوّل یہ کہ اپنے دل میں یقین کرے کہ میری بات قبول کی جائے گی، دوسرے یہ اعتماد رکھے کہ جس کو میں پکارتا ہوں اس میں میری مدد کرنے کی طاقت ہے، تیسرے ایک فطری لگاؤ جو انسان کو باقی ہر قسم کے لگاؤ سے پھیر کر اُسی کی طرف لے جاتا ہے۔ پہلے دو تو عقلی نکتے ہیں۔ تیسری فطرتی محبت ہے جو دوسری طرف سے اس کی آنکھ کو بند کر کے محبوب کی طرف لے جاتی ہے۔ بچہ اور ماں کی مثال کو دیکھ لو بچہ کا ماں سے فطرتی تعلق ہوتا ہے قطع نظر اس سے کہ ماں اس کی مدد کر سکے یا نہ کر سکے وہ اسے پکارتا ہے۔ ایک سمندر میں ڈوبنے والا بچہ باوجود یہ جاننے کے کہ میری ماں تیرنا نہیں جانتی پھر بھی اپنی ماں کو آواز دیتا ہے کہ مجھے بچاؤ کسی دوسرے کو آواز نہیں دیتا کہ کوئی مجھے بچائے بلکہ بے اختیار اپنی ماں کو پکارتا ہے یہ جذباتی تعلق ہے جس کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمایا اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ بغیر دعا کے انسان کے ایمان کو کامل نہیں کیا جا سکتا۔ پس آنحضرت ﷺ نے بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان تعلق کو ماں اور بچہ کا سا تعلق قرار دیا ہے کہ دنیا سے آنکھ بند کر کے اسی کی طرف بھاگے جب کبھی دکھ پہنچے تو بھاگ کر اسی کے

آستانہ پر گرے۔

دوسری چیز اخلاق میں ہم دیکھتے ہیں تو آنحضرت ﷺ کی زندگی میں ایسے باریک در باریک اخلاقی پہلو معلوم ہوتے ہیں کہ باریک نگاہ والے بھی دیکھ نہیں سکتے۔ مثلاً بیویوں کے معاملہ میں ہی آپ کے متعلق آتا ہے کہ جب کوئی آپ کی بیوی پانی پیتی آپ اُسی جگہ منہ لگا کر پانی پیتے جہاں سے اس نے پیا ہوتا[۲]۔ یہ کتنی چھوٹی سی بات ہے مگر کیسا باریک نکتہ ہے کہ انسانی محبت بڑے بڑے معاملات سے نہیں بلکہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اخلاق کے بڑے معاملات میں بھی آپ نے ایسی تعلیم دی ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے یہ شخص ساری عمر اخلاقیات کا مطالعہ کرتا رہا ہے بنی نوع انسان کے باہمی تعلقات، رشتہ داروں کے باہمی تعلقات، انسان کے ذاتی کیریکٹر کی تفصیلات، جھوٹ، خیانت، بدگمانی سے پرہیز تمام امور نظر آتے ہیں اور کوئی ایسی بات نہیں جس کا ذکر نہ آیا ہو بلکہ ذات میں ایسا کامل نمونہ دکھایا ہے کہ اگر کسی شخص کو بیسیوں زندگیاں عطا ہوں تب بھی اس کمال کو نہیں پہنچ سکتا۔ تیسری چیز مادیات ہیں ان کے لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں تو رسول کریم ﷺ کی زندگی میں مادیات میں اصلاح کی تعلیم بھی معلوم ہوتی ہے، سڑکوں کو کھلا کرو، پانی کی صفائی رکھو، راستہ کی صفائی کرو، مکان کشادہ بناؤ وغیرہ احکام سے آپ کی تعلیم پُر ہے۔ پس مادیات کے لحاظ سے بھی آپ کی تعلیم ایسی مکمل ہے کہ حیرت آجاتی ہے۔ تمام ضروری مادّی چیزیں خواہ وہ سیاست سے تعلق رکھتی ہوں یا تمدّن سے تعلق رکھتی ہوں یا تجارت سے یا صنعت سے متعلق ہوں ہر ایک شَے کو رسول کریم ﷺ نے اپنی اپنی جگہ پر بیان فرمایا ہے لیکن باوجود اس کے رسول کریم ﷺ نے اس زمانہ کے لوگوں کی طرح یہ نہیں کیا کہ دنیا کی ہر شَے کو مذہب کا حصہ قرار دے دیا ہو۔ مثلاً آپ کے متعلق واقعہ آتا ہے کہ ایک دفعہ کچھ لوگ کھیتی باڑی کر رہے تھے آپ پاس سے گزرے تو وہ نَر اور مادہ پودوں کو ملا رہے تھے آپ نے فرمایا کیا حرج ہے اگر نہ لگاؤ۔ لوگوں نے لگانے چھوڑ دیئے تو دوسرے سال پھل بہت کم آیا آپ نے ان درختوں کو دیکھ کر دریافت فرمایا تو لوگوں نے کہا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! آپ ہی نے فرمایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے حکم نہیں دیا تھا آپ لوگ اپنی دنیاوی باتوں کو مجھ سے اچھا جانتے ہو[۳]۔ اب گویا رسول اللہ ﷺ نے مادیات کو مذہب سے جُدا کر دیا۔ وہ زبان بھی خدا کے رسول کی زبان تھی مگر

باوجود اس کے کہ وہ خدا کے رسول کی زبان تھی آپ نے مادیات کو مادیات قرار دے کر فرمایا کہ تم ان باتوں کو زیادہ جانتے ہو مگر آجکل کے مولوی تو ایسا کرتے ہیں کہ خواہ اُن کے منہ سے انہونی بات بھی نکلے اس کے نہ ماننے سے اسلام کے دائرہ سے خارج اور کافر و مرتد ہونے کا سوال پیدا ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف مغربی گروہ ہے اسکے نزدیک مذہب پر نہ ایمان لانا ضروری ہے، نہ ان کے نزدیک آپ کی تعلیم کی عزت ہے، نہ اخلاق کی حرمت، وہ ہر شَے کو مادی قرار دیتے ہیں یہاں تک کہ اُن کے فلاسفروں نے کہا کہ سوال یہ نہیں کہ خدا نے دنیا کو کس طرح پیدا کیا بلکہ یہ ہے کہ انسان نے خدا کو کس طرح پیدا کیا۔ ان کے نزدیک خدا کا سوال انسانی ارتقاء کا نتیجہ ہے اور یہ کہ بے شک خدا کا وجود ایک حقیقت ہے لیکن دماغی ترقی کی وہ انتہائی کڑی ہے اور کچھ نہیں۔ ان کے نزدیک انسان نے اپنے لئے ایک اچھا نمونہ تلاش کرنا چاہا جب وہ انسانوں میں ایک عمدہ نمونہ تلاش نہ کر سکے تو انہوں نے انسانوں سے باہر ایک ذہنی نقشہ تیار کیا۔ پہلی کوشش انسان کی ایسی کامیاب نہ تھی مگر جوں جوں وہ زیادہ غور کرتا گیا زیادہ ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ اس نے ایک کامل نقشہ تیار کر لیا اُس کا نام خدا ہے اور ہر انسان کا فرض ہے کہ اس کا حکم مانے یعنی اس کی نقل کرنے کی کوشش کرے بغیر اس کی نقل اُتارنے کے انسان کامیاب نہیں ہوسکتا۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم بھی خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں اور اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں مگر اس لئے نہیں کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے بلکہ اس لئے کہ انسان نے آخر ایک کامل وجود کو دریافت کر لیا۔ غرض ان لوگوں نے خدا کو بھی مادیات کا حصہ قرار دے لیا ہے اور دوسری طرف ہندوستان کے مولویوں نے ہر ایک شَے حتّٰی کہ اخبار، سوسائٹی اور جلسہ کو بھی مذہب کا حصہ ٹھہرالیا ہے۔ لیکن اس طریق سے نہ دنیا کی اصلاح ہوسکتی ہے نہ مذہب کی۔ جس گروہ نے مادیات کو روحانیات کے تابع کیا وہ کہتا ہے کہ نماز پڑھنے سے دنیا حاصل ہو جاتی ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ دنیا میں کمانا، کھانا کھلانا خدا کے حصول کا موجب ہیں۔ یہ دین کو خیالی نقطہ سے حاصل کرنا چاہتا ہے اور وہ دنیا کے پیچھے تمام روحانیات کو قربان کرنا چاہتا ہے۔ پس یہ دونوں دھوکا خوردہ اور دھوکا دینے والے ہیں اصل حقیقت رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ یہ دونوں الگ الگ ہیں اور دونوں ضروری

ہیں اور ان کو ملانا جائز نہیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ بے شک عبادت ضروری ہے لیکن وَلِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا [۴] وَلِزَوْجِکَ عَلَیْکَ حَقًّا وَلِجَارِکَ عَلَیْکَ حَقًّا [۵]۔ مگر تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے ہمسایہ کا بھی تجھ پر حق ہے۔

پس ہمیں تینوں قسم کے ذرائع کا استعمال کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے ایک تو دعا، توجہ الی اللہ اور انابت اور عبادت سے کام لینا ضروری ہے۔

دوسرے نفس پر قابو پانا، جذبات کو دبانا اور عِلْمُ النفس پر غور کرنا۔ تیسرے مزدوری اور اپنے پیشہ میں دیانت سے کام لینا، علم دُنیوی اور سائنس کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ پس ہر ایک شَے ضروری ہے مگر الگ الگ دائرہ کی ضرورت ہے جو ایک دوسرے کو مِلا دے گا یا تقدیم و تاخیر کرے گا وہ غلطی کرے گا۔ یورپ نے روحانیت کو دنیا کے تابع کر کے دنیا کو حاصل کر لیا۔ دوسرا فقرہ اس کے برعکس یہ ہونا چاہئے کہ ہندوستان نے مذہب کو مقدّم کر کے مذہب کو حاصل کر لیا لیکن افسوس کہ میں یہ نہیں کہہ سکتا کیونکہ ہندوستان نے خدا کے مذہب کو مقدّم نہیں کیا بلکہ اپنے نفسانی جذبات کا نام مذہب رکھا اس لئے اسے نہ مذہب مِلا نہ دنیا۔ اس لحاظ سے یورپ کو فضیلت ہے کہ اس نے کچھ تو حاصل کر لیا۔ جس کو مقدّم کیا وہ تو مل گیا مگر اِنہوں نے جس کو مقدّم کیا اسے بھی کھو بیٹھے۔ اِسی حالت کو دور کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے مامور آتے ہیں جو لوگوں کی صحیح راہنمائی کر کے مذہب کو مذہب کی جگہ اور اخلاق کو اخلاق کی جگہ اور دنیا کو دنیا کی جگہ رکھتے ہیں۔ بظاہر وہ روحانی پیغام لے کر آتے ہیں مگر ان تینوں چیزوں کا گہرا تعلق ہے اور روحانیت میں کمال سے اخلاق کا درست ہونا لازمی امر ہے، اخلاق کی نگہداشت سے مادیت کی درستی لازمی ہے مگر اس کا عکس درست نہیں۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ جس کی دُنیا درست ہو اُس کے اخلاق بھی درست ہوں اور جس کے اخلاق درست ہوں اس کا مذہب بھی درست ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کا منشاء انسان کو اپنی طرف لانے کا ہے پس اس نے اخلاق کی درستی اور مادی ترقی کو مذہب کے تابع کر دیا ہے تا کہ جو شخص اس کی طرف توجہ کرے اسے باقی سب کچھ آپ ہی آپ مل جائے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ کامل مؤمن کو سب ترقیات حاصل ہوتی ہیں مگر کامل دنیا دار کے متعلق ضَلَّ سَعْیُھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا [۶]۔ ان کی سب کوشش دنیا میں ہی غائب ہو جاتی ہے گویا روحانیت کے قبول کرنے والے

کیلئے یعنی اوپر سے نیچے آنے والے کیلئے سیڑھی موجود ہے مگر نیچے سے اوپر جانے والے کیلئے سیڑھی موجود نہیں پس معلوم ہوا کہ دنیا میں ان تینوں امور کے حصول کیلئے الگ الگ ذرائع ہیں لیکن ایک ذریعہ مشترک بھی ہے اور وہ خدا تعالیٰ سے کامل تعلق پیدا کرنا ہے۔ اخلاق کیلئے کوشش کرنے سے اخلاق مل جائیں گے، مادیات کیلئے کوشش سے مادیات حاصل ہو جائیں گی مگر ہر ایک کوشش کا نتیجہ اسی دائرہ کے اندر محدود رہے گا مگر روحانیت کی درستی کرنے والے کو ساری چیزیں ملیں گی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان لاتے وقت اس بات کی بیعت نہیں کرتے تھے کہ گلیاں چوڑی رکھیں گے، سڑکیں کھلی رکھیں گے، صفائی کریں گے بلکہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھتے تھے اسی سے اخلاق درست ہوتے تھے۔ اخلاق کی درستی سے لازماً دنیا درست ہوتی تھی۔ اُس وقت ایک مسلمان کے منہ سے نکلی ہوئی بات کو دنیا میں کوئی ردّ نہیں کرسکتا تھا کیونکہ وہ سچ بولتا تھا اور تجارت میں دیانتدار کو دیکھ کر دنیا گویا مسلمان ہی کو تجارت سپرد کر دیتی تھی اور رعایا سے انصاف برتتے ہوئے دیکھ کر وہ لوگ چاہتے تھے کہ مسلمان ہی ہمارے حاکم ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کا واقع ہے کہ ایک موقع پر آپ کو شام سے فوج ہٹانی پڑی کیونکہ رومیوں کی فوج زیادہ تھی لیکن شامی لوگ روتے اور اصرار کرتے تھے کہ ہم آپ کی مدد کریں گے آپ یہاں سے نہ جائیں۔ باوجود اس کے کہ رومی بھی عیسائی تھے اور شامی بھی عیسائی تھے مگر باوجود رومیوں کے ہم مذہب ہونے کے شامی اِس بات پر آمادہ تھے کہ مسلمانوں کی مدد کریں اور اپنی قوم کے ماتحت رہنا پسند نہ کرتے تھے اس کی وجہ یہی تھی کہ مسلمان اپنے ماتحتوں سے دیانت دارانہ سلوک کرتے تھے۔

پس گو بادشاہت دُنیوی شَے ہے ہر مذہب کے لوگ بادشاہ ہوتے ہیں مگر مسلمانوں کی بادشاہت دنیوی نہ تھی۔ یہ بادشاہت ان کے مذہب کے طفیل ملی تھی اس لئے مذہب کے پیچھے چلتی تھی اور اس وجہ سے اس میں ایسی خوبیاں تھیں کہ ان سے مذہبی اختلاف رکھنے والے بھی نہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی بادشاہت جاتی رہے۔ مگر گو یہ حکومت لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے طفیل ملی تھی لیکن صرف زبانی دعویٰ کے طفیل نہیں بلکہ حقیقی ایمان کے طفیل سے کیونکہ زبانی دعویٰ والا تو دنیا سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے مگر جس کو سچا مذہب مل جائے اس کے اخلاق بھی درست ہو جاتے ہیں اور دنیا بھی۔ پھر چونکہ خدا تعالیٰ کو سب دنیا پر بادشاہت حاصل ہے اس لئے وہ سچے مذہب کے

حامل کو ظلّی طور پر بادشاہت دے دیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک تاجر کی مثال اکثر سنایا کرتے تھے کہ اس نے ایک دفعہ کچھ رقم شہر کے بڑے قاضی کے پاس امانت رکھی کہ جب میں سفر سے واپس آؤں گا تو اپنی امانت لے لوں گا لیکن جب وہ واپس آیا اور اس نے اپنی تھیلی مانگی تو قاضی نے صاف انکار کر دیا اور کہا کیسی تھیلی اور کیسی امانت۔ تاجر نے بہتیرے اَتے پتے بتائے کہ فلاں وقت تھا اور فلاں دن تھا، اس طرح آپ بیٹھے تھے۔ قاضی نے کہا کہ مجھے تو کوئی یاد نہیں اور میں تو امانتیں رکھا ہی نہیں کرتا۔ اس جواب پر تاجر بہت پریشان ہؤا آخر اُسے کسی نے بتایا کہ ہفتہ میں فلاں دن بادشاہ کا کھلا دربار ہوتا ہے اور ہر شخص جا کر عرض کر سکتا ہے تم اس دن جانا اور جا کر اپنا قصہ سنانا۔ اس نے ایسا ہی کیا مگر چونکہ تاجر کے پاس ثبوت کوئی نہیں تھا اس لئے بادشاہ نے کہا کہ شہر کے قاضی کو میں بغیر ثبوت کے کس طرح پکڑ سکتا ہوں۔ ہاں ایک صورت ہو سکتی ہے کہ فلاں دن میری سواری اور جلوس نکلے گا تُو قاضی کے قریب ٹھہرنا میں جب آؤں گا تو تم سے بے تکلفی سے باتیں کروں گا اور تم آگے سے ایسے ظاہر کرنا کہ گویا تم میرے دوست ہو ڈرنا مت۔ میں تمہیں کہوں گا کہ آپ ملے نہیں تو آگے سے جواب دینا کہ پہلے میں تو سفر پر گیا ہؤا تھا پھر جب آیا تو کچھ امانت ایک صاحب کے پاس رکھی ہوئی تھی اس کا جھگڑا تھا وصولی کی کوشش میں ہوں اس لئے نہ مل سکا تو میں کہوں گا کہ نہیں تمہیں چاہئے تھا کہ ہمیں آکر ملتے اور آخر ایسے جھگڑے بھی ہمارے پاس ہی آتے ہیں پھر ہمیں آکر کیوں نہ کہا؟ تو جواب دینا کہ اچھا اگر طے نہ ہؤا تو پھر حاضر ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اس تاجر نے ایسا ہی کیا۔ قاضی جو پاس ہی سلام کیلئے کھڑا تھا اُس نے یہ باتیں سن کر تاجر کو اپنے پاس بلایا اور کہا کہ میاں! تم اس دن آئے تھے اور کسی تھیلی کا ذکر کرتے تھے میرا حافظہ کمزور ہو گیا ہے کوئی نشان بتاؤ تو شاید مجھے امانت یاد آجائے۔ تاجر نے پھر پہلی ہی کہانی دُہرا دی کہ اس اس طرح مَیں آیا اور آپ فلاں مجلس میں بیٹھے تھے اور یوں میں نے تھیلی دی تھی۔ تو قاضی کہنے لگا کہ آپ نے پہلے کیوں نہ بتایا یہ امانت تو میرے پاس محفوظ ہے اور روپیہ لا کر تاجر کے حوالے کر دیا۔ تو جب ایک دنیوی بادشاہ جس کو محدود طاقت حاصل ہے اُس کی دوستی انسان کو یہ مقام دے دیتی ہے کہ اس سے بڑے بڑے لوگ خوف کھاتے ہیں تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کی دوستی کسی کو حاصل ہو اور دنیا اس کے

قدموں پر نہ گر جائے اس کا تعلق دیکھ کر تو ہر ذرّہ آگے بڑھتا ہے کہ اس انسان کے قدموں پر نثار ہو کر خدا تعالیٰ کی نظروں میں جگہ پائے۔ پس سچا مذہب حاصل کر کے انسان ساری دنیا کو حاصل کر سکتا ہے اور مذہب کے آنے سے سب باتیں آجاتی ہیں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ کے ذریعہ یہ باتیں جو صحابہ کرام کو حاصل ہوئیں تو انہوں نے دنیاوی طور پر حاصل نہیں کیں بلکہ دنیا مذہب کے تابع ہو کر انہیں ملی مگر اس کیلئے ایمانِ کامل ضروری ہے جو خدا تعالیٰ کی رضا کو جذب کرے۔ مثلاً ایک شخص جسے کامل ایمان حاصل ہو وہ کس طرح اعلیٰ اخلاق کو چھوڑ سکتا ہے اور اگر اخلاق کے سارے شعبے انسان اختیار کرے اور ان پر عمل کرے تو سچائی، دیانت، امانت، تقویٰ اور طہارت سبھی کچھ اسے حاصل ہوگا اور ان کا لازمی نتیجہ علم، ہنر، ہوشیاری اور محنت ہوگا اور ایسے شخص کو لازماً دنیا بھی حاصل ہو جائے گی۔

پس مؤمن کو سب سے زیادہ توجہ روحانی تعلق کی طرف کرنی چاہئے ان لوگوں کی طرح نہیں جو آجکل سمجھتے ہیں کہ منہ سے اقرار کافی ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت زبان کی نہیں ہوسکتی بلکہ دل سے ہی ہوسکتی ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو پھر انسان ہر شئے پر قبضہ کر لیتا ہے۔ کبھی ایسا نہیں ہؤا کہ منہ کی تھوک سے یا ایک قطرہ سے پہاڑ ڈھک جائیں مگر بادلوں سے ڈھک جاتے ہیں۔ اِسی طرح اگر دل سے محبت کا دھواں اُٹھے تو اس سے اہم نتائج پیدا ہوں گے مگر جو منہ سے دعویٰ کرتا ہے وہ پاگل ہے اسے نہ دین ملے گا نہ دنیا۔ مؤمن کو کامل بننے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ کسی نے کہا ہے

ع کسبِ کمال کُن کہ عزیز جہاں شوی

جب تک کوئی انسان کمال حاصل نہ کرے انعام نہیں مل سکتا۔ مذہب میں داخل ہونے سے بھی کمال ہی فائدہ دیتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ آجکل ہم سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جو گہرا تعلق رکھتے ہیں یا تو پوری مخالفت کرنے والے مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب وغیرہ دوسرے چھوٹے چھوٹے مولویوں کو کوئی پوچھتا بھی نہیں یا کامل اخلاص رکھنے والے۔ ادنیٰ تعلق فائدہ نہیں دیتا۔ اصل میں کمال ہی سے فضل ملتا ہے بغیر اس کے انسان فضل سے محروم رہتا ہے۔ اگر انسان ''ہر چہ بادا باد کشتیٔ ما در آب انداختیم'' کہہ کر خدا تعالیٰ کی طرف چل پڑے تو اُس کے ساتھ بھی پہلوں کا سا معاملہ ہوگا۔ آخر خدا تعالیٰ کو کسی سے دشمنی نہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ

انسان کامل طور پر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے آگے ڈال دے اور اس کے آستانہ پر گرا دے اِس سے آپ ہی آپ اسے سب کچھ حاصل ہو جائے گا اور جو ترقی اس کیلئے ضروری ہوگی وہ آپ ہی آپ مل جائے گی۔ آگ کے پاس بیٹھنے والے کے اعضاء کو دیکھو سب گرم ہوں گے اس کا چہرہ ہاتھ پاؤں جہاں ہاتھ لگاؤ گے گرم محسوس ہوگا۔ تو پھر کس طرح ممکن ہے کوئی شخص سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خدا کے پاس آئے اور اُس کے پاس بیٹھ جائے اور خدا تعالیٰ کا وجود اُس کے اندر سے ظاہر نہ ہو۔ آگ کے اندر لوہا پڑ کر آگ کی خصوصیات ظاہر کرنے لگ جاتا ہے گو وہ آگ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے والے لوگوں سے خاص معاملات ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں کُنْ فَیَکُوْنُ والی چادر پہنا دیتا ہے۔ حتّٰی کہ نادان اُن کو خدا سمجھنے لگ جاتے ہیں حالانکہ وہ تو صرف خدا تعالیٰ کی صفات کا عکس پیش کر رہے ہوتے ہیں۔

پس اگر کوئی مذہب سے فائدہ اُٹھانا چاہے تو اُس کا طریق یہی ہے کہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے آگے کُلّی طور پر ڈال دے لیکن اگر قوم کی قوم اس طرح کرے تو اس پر خاص فضل ہوں گے اور وہ ہر میدان میں فتح حاصل کرے گی۔ ہماری جماعت کیلئے بھی یہی قدم اٹھانا ضروری ہے مگر بہت سے لوگ صرف کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ سے ایسی محبت کرنی چاہئے کہ ایک طبعی شَے بن جائے صرف جھوٹا دعویٰ نہ ہو کیونکہ جھوٹ اور خدا تعالیٰ کی محبت ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی۔ جھوٹ ایک ظلمت ہے اور خدا تعالیٰ کی محبت ایک نور پس نور اور ظلمت کیسے جمع ہو سکتے ہیں۔ ایسے شخص کے اندر نہ سُستی ہو نہ فریب نہ دغا۔ کیونکہ یہ سب ظلمات ہیں اور خدا تعالیٰ ایک نور ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؎ ۔ جب یہ بُرائیاں کسی قوم سے مٹ جائیں تو وہ قوم ذلیل نہیں رہتی اُس میں سے ذلّت جاتی رہتی ہے اور عزت حاصل ہو جاتی ہے۔ پس اپنی ایسی اصلاح کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جس سے خدا تعالیٰ دوست بن جائے اور صرف منہ سے کہنے کا فائدہ نہیں نہ فتویٰ بازی سے کام چل سکتا ہے اور نہ اس سے فائدہ ہوسکتا ہے کہ ہم کوئی انجمن بنالیں یا کارخانے کھول لیں یہ سب باتیں جُزوی ہیں۔ جو شخص ادنیٰ باتوں سے آزاد ہونا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ڈال دے۔ ایسی حالت اگر لمحہ کیلئے بھی حاصل ہو تو دنیا میں تغیر پیدا کر دیتی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ دو بادل ایک لمحہ کیلئے ملتے ہیں تو ان سے چمک پیدا ہوتی ہے

اور تاریک رات کو روشن کر دیتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ بندہ اور خدا آپس میں ملیں خواہ ایک منٹ کیلئے ہی کیوں نہ ہو تو ایک ایسا نور نہ پیدا ہو جو سب دنیا کو روشن کر دے۔

(الفضل ۲۵ / جولائی ۱۹۳۶ء)

---

۱؎ ترمذی کتاب الدعوات باب الدعا مخ العبادة

۲؎ ابوداؤد کتاب الطهارة باب مؤاكلة الحائض و مجامعتها

۳؎ مسلم كتاب الفضائل باب وجوب امتثال ماقاله شرعًا (الخ)

۴،۵؎ بخاری کتاب الصوم باب من اقسم على اخيه (الخ)۔ بخاری کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصوم

۶؎ الكهف :۱۰۵

۷؎ النور: ۳۶